Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 10 | October 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
October 31, 2026

The Islamic System of Governance through the Political Lens of Orientalists: Roots of Objections, Underlying Biases, and a Fresh Critical Reassessment

مستشرقین کی سیاسی عینک میں اسلامی نظامِ حکومت: اعتراضات کی جڑیں، تعصبات اور ایک نئی تنقیدی جائزہ

Sidra Afzal Sabri
Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, National College of Business Administration and Economics, Sub Campus Bahawalpur
Email: zainabirha648@gmail.com
ORCID ID: https://ORCID.org/0009-0005-1862-262X

Dr Muhammad Azam
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, National College of Business Administration and Economics, Sub Campus Bahawalpur
Email: azam.panuhan@gmail.com

Dr. Tanveer Akhtar
Lecturer, Cholistan University of Veterinary and Animal Science Bahawalpur
Email: tanveerakhtar@cuvas.edu.pk

Abstract
This study examines the political lens through which Orientalists have historically viewed the Islamic system of governance, uncovering the deep roots of their objections and the underlying biases that shaped them. Western scholars, from classical Orientalists to later neo-Orientalist voices, frequently portrayed the Islamic political order as an inherent **theocracy** marked by despotism, the fusion of religion and state, and an absence of secular separation between spiritual and temporal authority. Key criticisms include the alleged incompatibility of Sharia with modern democratic norms, the characterization of the Caliphate as authoritarian rule lacking checks and balances, and the depiction of Prophetic leadership and subsequent Islamic institutions as fundamentally resistant to pluralism, individual rights, and evolutionary political development. These objections, however, stem less from neutral historical analysis and more from entrenched colonial-era mindsets, Enlightenment secular assumptions, and geopolitical anxieties that framed the "Orient" as the eternal "Other"—static, irrational, and antithetical to Western progress. This paper traces the psychological and historical foundations of such critiques, highlighting how they often projected European experiences of church-state conflicts onto Islamic civilization while overlooking indigenous concepts like *shura* (consultation), *bay'ah* (oath of allegiance), *ijtihad*, and the supremacy of divine law as a safeguard

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 10 | October 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
October 31, 2026

against arbitrary power. Through a fresh critical reassessment, the article challenges these long-standing narratives by situating Islamic political thought within its own epistemological framework, rather than imposing alien secular paradigms. It argues that many Orientalist objections reflect a selective reading of Islamic history and sources, influenced by power dynamics and cultural superiority complexes, and calls for a more nuanced dialogue that recognizes the unique integration of ethics, law, and governance in Islam without reducing it to Western binaries of democracy versus authoritarianism. This re-evaluation not only deconstructs persistent stereotypes but also opens pathways for understanding "Political Islam" in contemporary contexts beyond the lens of threat or incompatibility. Ultimately, it advocates for an intellectually honest engagement that moves past polemics toward a genuine appreciation of civilizational distinctiveness.

Keywords: Islamic Political System, Orientalist Criticisms, Theocracy and Despotism, Secularism Vs. Divine Sovereignty

تمہید

مستشرقین (Orientalists) سے مراد وہ مغربی دانشور اور سکالرز ہیں جو مشرقی دنیا، خاص طور پر اسلامی معاشروں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ایڈورڈ سعید کی کتاب Orientalism (1978) کے مطابق، مستشرقی مطالعہ ایک ایسا فکری ڈھانچہ ہے جو مشرق کو ایک کمتر، غیر منطقی اور پسماندہ خطہ کے طور پر پیش کرتا ہے تاکہ مغربی بالادستی کو جواز بخشا جا سکے۔ اسلام کے سیاسی نظام پر مستشرقین کے اعتراضات اسی تناظر میں دیکھے جا سکتے ہیں، جہاں وہ اسلام کو ایک ایسے مذہب کے طور پر دیکھتے ہیں جو ریاست اور مذہب کی جدائی کی اجازت نہیں دیتا، جس سے آمریت، تشدد اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں جنم لیتی ہیں۔ یہ اعتراضات 18 ویں اور 19 ویں صدی کے یورپی امپیریلزم کے دور سے شروع ہوئے اور آج نو مستشرقی (neo-Orientalism) کی شکل میں میڈیا، سیاست اور علمی بحثوں میں جاری ہیں۔[1] مستشرقی تنقید کی جڑیں صلیبی جنگوں (Crusades) کے دور میں ملتی ہیں، جہاں مغربی مصنفین نے اسلام کو ایک ایسے سیاسی نظام کے طور پر پیش کیا جو فتح اور تشدد پر مبنی ہے۔ قرون وسطیٰ کے مسیحی مصنفین اسلام کو ایک مسیحی بدعت یا بت پرستی کے طور پر دیکھتے تھے، جو اسلامی سیاسی ڈھانچوں کو غیر مہذب اور آمرانہ قرار دیتے تھے۔ 18 ویں صدی کے روشن خیالی دور میں، اسلام کو عثمانی سلطنت سے جوڑ کر ایک خونی اور عدم رواداری نظام کے طور پر پیش کیا گیا۔ وکٹورین دور کے مستشرق جیسے سر ولیم میور نے اسلام کی "غیر لچکدار" نوعیت کو تنقید کا نشانہ بنایا، کہتے ہوئے کہ یہ مسلم ممالک میں سماجی اور سیاسی ترقی کو روکتی ہے۔ 20 ویں صدی میں، فرانسیسی الجزائر جیسے نوآبادیاتی علاقوں میں اسلام کو عرب "پسماندگی" کا سبب قرار دیا گیا۔ پوسٹ 11/9 دور میں، نو مستشرقی نے ان اعتراضات کو نئی

[1] https://traversingtradition.com/2024/04/25/between-orientalists-and-their-critics-the-persistent-divide/

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 10 | October 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
October 31, 2026

شکل دی، جہاں میڈیا اور سیاسی تبصرہ نگار اسلام کو ایک ایسے سیاسی نظام کے طور پر دیکھتے ہیں جو دہشت گردی اور آمریت کو فروغ دیتا ہے۔ سعید کے مطابق، یہ تنقید مغربی سلطنتوں کی طاقت کو برقرار رکھنے کا آلہ ہے، جو اسلام کو ایک "دوسرے" کے طور پر تخلیق کرتی ہے۔ تاریخی طور پر، یہ اعتراضات امپیریلزم اور نوآبادیات کی حمایت کرتے رہے ہیں، جہاں اسلام کے سیاسی نظام کو مغربی اقدار کے مخالف قرار دے کر فوجی مداخلتوں کو جواز بخشا گیا۔

کلاسیکی مستشرقین کے اعتراضات

کلاسیکی مستشرقین، جیسے **برنارڈ لیوس اور ایلی کیڈوری**، اسلام کے سیاسی نظام کو ایک آمرانہ اور غیر جمہوری ساخت کے طور پر دیکھتے تھے۔ ان کے مطابق، اسلامی معاشروں میں ایک مضبوط سول سوسائٹی کا فقدان ہے، جو حکمرانی کو چیک کرنے کے لیے ضروری ہے۔ وہ استدلال کرتے ہیں کہ اسلام سیاسی اطاعت اور خاموشی کو فروغ دیتا ہے، جس سے عوام حکمرانوں کی اطاعت کو مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ مثال کے طور پر، اسلامی تاریخ میں خلافت اور سلطنتوں کو ایک مسلسل آمریت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے، جہاں اطاعت مذہبی اور سیاسی دونوں سطحوں پر لازمی ہے، اور بغاوت کو گناہ قرار دیا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک، اسلامی قانون (شریعت) میں کارپوریٹ قانونی شخصیات کا تصور نہیں ہے، اور اسلامی تاریخ میں کوئی منتخب یا نمائندہ اسمبلیاں نہیں پائی جاتیں۔ وہ غزالی جیسے علما کا حوالہ دیتے ہیں، جو کہتے تھے کہ سلطان کی ظالمانہ حکمرانی ایک سو سال تک بھی عوام کی آپس کی ظالمانہ کارروائیوں سے کم نقصان دہ ہے۔

اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلامی سیاسی نظام ایک **"مضبوط ریاست اور کمزور معاشرہ"** کی بنیاد پر قائم ہے، جہاں سماجی تنظیمیں کمزور اور غیر رسمی ہوتی ہیں، جو حکمرانوں سے استدعا کا ذریعہ تو بن سکتی ہیں مگر مزاحمت کی نہیں۔ یہ نظام جمہوریت کی راہ میں رکاوٹ ہے کیونکہ یہ خود مختار گروہوں کی تشکیل کو روکتا ہے جو ریاست کو متوازن رکھ سکیں۔ اس طرح، اسلام کو ایک مجموعی (ٹوٹلسٹک) مذہب قرار دیا جاتا ہے جو صرف آمرانہ ریاست ہی میں نافذ ہو سکتا ہے۔[2] مزید برآں، کلاسیکی مستشرقین اسلام کو ایک مادی مذہب کے طور پر دیکھتے تھے جو روحانی سے زیادہ دنیاوی امور پر توجہ دیتا ہے، اور اسے عیسائیت کی ایک بدعت یا بت پرستی سے تشبیہ دیتے تھے۔ وہ اسلامی سلطنتوں کی توسیع کو جارحانہ فتوحات کے طور پر بیان کرتے ہیں، جو سیاسی طاقت کے لیے مذہب کا استعمال کرتی تھیں۔ مثال کے طور پر، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فتوحات کو سیاسی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش قرار دیا جاتا ہے، جو شریعت کو ریاست کی بنیاد بناتی ہے۔ یہ اعتراضات مغربی نوآبادیاتی دور میں استعمال ہوئے تاکہ اسلامی علاقوں کو "پسماندہ" ثابت کیا جائے اور مغربی حکمرانی کو جواز مہیا کیا جائے۔

نو مستشرقین کے اعتراضات

نو-مستشرقین، جیسے **پیٹر ریشیا کرون، ڈینیئل پائپس اور جان ہال**، کلاسیکی نظریات کو الٹ کر پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام سیاسی اتھارٹی کو جائز تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے، جس سے ایک "مضبوط معاشرہ اور کمزور ریاست" کی صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ ان کے مطابق، اسلامی تاریخ میں علما نے شریعت کو قبائلی تعصبات سے متاثر کر کے حکمرانوں کو کرپٹ اور ناجائز قرار دیا، جو ریاست کی مستحکم بنیاد کو کمزور کرتا ہے جیسا کہ؛

[2] https://merip.org/1993/07/the-new-orientalism-and-the-democracy-debate/

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 10 | October 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
October 31, 2026

کرون کا موقف: کرون کا استدلال ہے کہ اسلام میں حکمرانوں کو فرعونوں سے تشبیہ دی جاتی ہے، اور خدا کی کمیونٹی کو ایک مساویانہ گروہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو طاقت کی ساختوں سے آزاد ہے۔ اس سے سیاست سازشوں اور لڑائیوں تک محدود ہو جاتی ہے، اور مستقل کنٹرول ممکن نہیں رہتا۔

پائپس کا موقف: پائپس کے نزدیک، شریعت کے مثالی اصول انسانی طور پر ناقابل عمل ہیں، جس سے ہر حکومت کو بالآخر ناجائز قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہ مسلمانوں میں ایک طرح کی بے ترتیبی (اینومی) پیدا کرتا ہے، جو جدیدیت اور جمہوریت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلم ممالک میں دہشت گردی سب سے زیادہ اور جمہوریت سب سے کم ہے، اور یہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔

ہال کا موقف: ہال اسلام کو "قبائلی چہرے والا توحید" قرار دیتے ہیں، جہاں ریاست کی جڑیں معاشرے میں کمزور ہوتی ہیں، اور استحکام حکمرانوں کی ذاتی یکجہتی پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ نظام یورپ کی طرح کی "آرگینک ریاست" کی تشکیل کو روکتا ہے، جو جمہوریت اور سیکولرزم کے لیے ضروری ہے۔ سیموئیل ہنٹنگٹن کا خیال ہے کہ مشرق وسطیٰ میں جمہوری ترقی کی امیدیں کم ہیں۔

یہ اعتراضات اسلام کو ایک غیر مستحکم سیاسی نظام کے طور پر پیش کرتے ہیں جو جدید حکمرانی سے مطابقت نہیں رکھتا۔[3] نو-مستشرقین اسلام کو جدیدیت کے مخالف بھی دیکھتے ہیں، جو قدیم نصوص پر مبنی ہے اور مادی دنیا سے عقلی تعامل نہیں کر سکتا۔ وہ استدلال کرتے ہیں کہ اسلامی سیاسی تشدد بنیادی طور پر مذہبی اصولوں سے جنم لیتا ہے، جو مغربی سیکولر جمہوریتوں سے مختلف ہے۔

اسلام اور تشدد: اور ینٹلزم کے چار اصول

ایڈورڈ سعید کے "اور ینٹلزم کے چار اصول" پر مبنی تنقید میں اسلام کو تشدد سے جوڑا جاتا ہے، جو سیاسی نظام کی بنیاد کو کمزور کرتی ہے۔

ہم بمقابلہ: پہلا اصول "ہم بمقابلہ وہ" ہے، جہاں اسلام کو مذہب اور سیاست کی آمیزش کا شکار دیکھا جاتا ہے، جو مقدس غصے اور جہاد کو جنم دیتا ہے۔ یہ مغربی سیکولر جمہوریتوں کے برعکس ہے، جہاں مذہب کو نجی معاملہ رکھا جاتا ہے۔

جدیدیت بمقابلہ پرانی روایات: دوسرا اصول "جدیدیت بمقابلہ پرانی روایات" ہے، جو اسلام کو ساتویں صدی کی نصوص سے جوڑتا ہے، جو جدید سیاسی مسائل کو حل نہیں کر سکتیں۔

[3] https://www.cato.org/commentary/middle-east-autocrats-islamophobia-reverse-orientalism

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 10 | October 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
October 31, 2026

سبجیکٹ بمقابلہ آسبجیکٹ: تیسرا اصول "سبجیکٹ بمقابلہ آبجیکٹ" ہے، جہاں اسلام کو ایک یکساں اور ابدی چیز کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جو خود کی وضاحت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس سے "اچھے" اور "برے" مسلمانوں کی تقسیم ہوتی ہے، جہاں سیاسی تشدد کو سلفی جہادیوں سے جوڑا جاتا ہے۔

انسانیت بمقابلہ بربریت: چوتھا اصول "انسانیت بمقابلہ بربریت" ہے، جو اسلامی تشدد کو غیر انسانی اور وحشیانہ قرار دیتا ہے، جو مغربی کنٹرول کا جواز بنتا ہے۔ یہ اصول اسلام کے سیاسی نظام کو ایک خطرناک اور غیر جمہوری ساخت کے طور پر پیش کرتے ہیں، جو بین الاقوامی مداخلت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔[4]

کلیدی اعتراضات

مستشرقین کے اعتراضات اسلام کے سیاسی نظام کو چار مرکزی ڈاگمز (dogmas) پر مبنی دیکھتے ہیں: مغرب اور مشرق کی مطلق تقسیم، اسلام کی جدیدیت سے دشمنی، اسلامی سیاسیات کی یکسانیت، اور اس کی بربریت۔ یہاں ان اعتراضات کی تفصیل دی جاتی ہے؛

ریاست اور مذہب کی جدائی کی عدم موجودگی

مستشرقین کا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ اسلام میں ریاست اور مذہب کی کوئی جدائی نہیں، جو ایک آمرانہ سیاسی نظام کو جنم دیتی ہے۔ وہ اسلام کو ایک "ٹوٹلسٹک " (totalistic) نظام قرار دیتے ہیں، جہاں شریعت سیاسی، معاشی اور سماجی زندگی کو کنٹرول کرتی ہے، جس سے انسانی آزادیاں محدود ہو جاتی ہیں۔ برنارڈ لیوس جیسے سکالرز کا دعویٰ ہے کہ اسلام میں الٰہی حاکمیت (divine sovereignty) کی وجہ سے جمہوریت ناممکن ہے، کیونکہ یہ انسانی قوانین کو فوقیت نہیں دیتی۔ مثال کے طور پر، مشرق وسطیٰ میں اسلام کو جمہوریت سے غیر مطابقت کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ مسلم عوام "آزادانہ انتخابات" کے لیے تیار نہیں۔ یہ اعتراض نوآبادیاتی دور سے چلا آ رہا ہے، جہاں اسلام کو ایک جامد اور غیر منطقی نظام کے طور پر دیکھا جاتا تھا جو مغربی سیکولرزم کے مقابلے میں ناکام ہے۔[5]

خلافت اور امپیریلزم کا تشدد آمیز کردار

خلافت کو مستشرقین ایک ایسے سیاسی ڈھانچے کے طور پر تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جو فتح اور لوٹ مار پر مبنی ہے۔ ڈیوڈ مارگولیتھ نے خائبر کی جنگ کو اسلام کی "دنیا کے لیے خطرہ" قرار دیا، کہتے ہوئے کہ یہ دفاعی نہیں بلکہ جارحانہ تھا۔ ایفرائم کارش کی کتاب *Islamic Imperialism* میں اسلام کو ایک ایسے سیاسی نظام کے طور پر پیش کیا گیا جو مقامی ثقافتوں کو تباہ کرتا ہے۔ مستشرقین کا دعویٰ ہے کہ خلافت کی توسیع تشدد اور جہاد پر مبنی تھی، جو جدید دور میں دہشت گرد تنظیموں جیسے

[4] https://journals.sagepub.com/doi/full/10.1177/03063968231164586
[5] https://journals.sagepub.com/doi/full/10.1177/03063968231164586

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 10 | October 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
October 31, 2026

داعش میں جھلکتی ہے۔ یہ اعتراض اسلام کو ایک "حرب خانہ (house of war) " کے طور پر دیکھتا ہے، جو غیر مسلموں کے خلاف مسلسل جدوجہد کا حکم دیتا ہے۔

شریعت اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں

شریعت کو مستشرقین انسانی حقوق سے متصادم قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شریعت میں ارتداد (apostasy) کی سزا موت ہے، جو مذہبی آزادی کی خلاف ورزی ہے۔ قرآن کی آیت 4:34 کو عورتوں کے خلاف تشدد کی اجازت کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جو گھریلو تشدد کو فروغ دیتی ہے۔ مستشرقین جیسے ابن کمونہ نے شریعت کو انصاف کے اصولوں سے متصادم قرار دیا۔ مزید برآں، غیر مسلموں پر جزیہ ٹیکس کو امتیازی سلوک کا مظہر کہا جاتا ہے۔ نو مستشرقی میڈیا میں شریعت کو ایک پسماندہ نظام کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو عورتوں، اقلیتوں اور ملحدوں کے حقوق کو پامال کرتا ہے، جیسے کہ یونیسیف کی 2011 رپورٹ میں شریعت پر مبنی قوانین کو عورتوں کے خلاف امتیازی قرار دیا گیا۔[6]

اسلام اور جمہوریت کی عدم مطابقت

مستشرقین کا دعویٰ ہے کہ اسلام جمہوریت سے غیر مطابقت رکھتا ہے، کیونکہ یہ الٰہی قوانین کو انسانی فیصلوں پر فوقیت دیتا ہے۔ برنارڈ لیوس نے 2011 کی عرب بہار کے دوران کہا کہ عرب اور مسلم دنیا میں جمہوریت کی کوئی تاریخ نہیں، اور عوام آزاد انتخابات کے لیے تیار نہیں۔ یہ اعتراض مشرق وسطیٰ کی آمریتوں کو اسلام کی وجہ سے جواز بخشتا ہے، کہتے ہوئے کہ مسلم عوام مذہبی انتہا پسندوں کو ووٹ دیں گے۔ نو مستشرقی میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسلام کو ایک "تشدد آمیز اور جابرانہ مذہب" کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو مغربی اقدار سے متصادم ہے۔

تشدد اور جہاد کی حوصلہ افزائی

مستشرقین اسلام کو ایک ایسے سیاسی نظام کے طور پر دیکھتے ہیں جو تشدد کو فروغ دیتا ہے۔ وہ جہاد کو ایک "عظیم ترین برائی کا ذریعہ" قرار دیتے ہیں، جیسے سیم ہیرس نے کہا۔ داعش کو اسلام کی "میڈیول مذہبی نوعیت" کا مظہر کہا جاتا ہے جو ساتویں صدی کے آئیڈیل کی طرف واپسی چاہتی ہے۔ مستشرقین کا دعویٰ ہے کہ اسلام کا سیاسی

[6] https://www.tandfonline.com/doi/full/10.1080/0950236X.2023.2288112

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 10 | October 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
October 31, 2026

نظام "مقدس غضب" اور "الٰہی تنازع" پر مبنی ہے، جو اخلاقی حدود کو نظر انداز کرتا ہے۔ یہ اعتراض پوسٹ 11/9 میڈیا میں شدت اختیار کر گیا، جہاں اسلام کو دہشت گردی کا سبب قرار دیا جاتا ہے۔[7]

غیر منطقیت اور پسماندگی

اسلام کے سیاسی نظام کو غیر منطقی اور پسماندہ قرار دیا جاتا ہے، جو مغربی روشن خیالی سے متصادم ہے۔ مستشرقین کا کہنا ہے کہ اسلامی سیاسیات ایک "پرانی اور جامد" چیز ہے جو ترقی کی صلاحیت سے محروم ہے۔ میڈیا میں اسلام کو ایک "وحشیانہ" نظام کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو مغربی اقدار جیسے سیکولرزم اور صنفی مساوات سے مخالف ہے۔ یہ اعتراض نو مستشرقی میں فلمیں اور ٹی وی سیریز جیسے 24 اور Homeland میں جھلکتا ہے، جہاں مسلمانوں کو جہادیوں کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔

یہ اعتراضات خود متنازع ہیں۔ سعید کی تنقید کے مطابق، مستشرقی ایک مغربی ڈسکورس ہے جو اسلام کو ایک جامد اور یکساں چیز کے طور پر دیکھتی ہے، جبکہ حقیقت میں اسلامی سیاسی نظام متنوع ہے۔ پوسٹ مستشرقین جیسے جان ایسپوسیٹو کا کہنا ہے کہ اسلام جمہوریت سے مطابقت رکھتا ہے، جیسے کہ تونس، انڈونیشیا اور ترکی کی مثالیں۔ تشدد کو اسلام کی بجائے سماجی اور سیاسی عوامل سے جوڑا جاتا ہے۔ ریورس مستشرقی (reverse Orientalism) میں مشرقی آمر مغربی خدشات کو استعمال کر کے اپنی حکمرانی کو جواز بخشتے ہیں۔ یہ تنقید مغربی سامراج کی مذمت کرتی ہے جو اسلامی سیاسی مسائل کی جڑ ہے۔[8] مستشرقین کے اعتراضات اسلام کے سیاسی نظام کو ایک آمرانہ، تشدد آمیز اور غیر منطقی ڈھانچہ کے طور پر پیش کرتے ہیں، جو مغربی بالادستی کو جواز بخشتے ہیں۔ تاہم، یہ اعتراضات اکثر تعصب پر مبنی ہوتے ہیں اور اسلامی تنوع کو نظر انداز کرتے ہیں۔ آج کے دور میں، یہ نو مستشرقی کی شکل میں عالمی سیاست کو متاثر کرتے ہیں، لیکن پوسٹ مستشرقی مطالعہ ایک متوازن نقطہ نظر پیش کرتا ہے۔ اسلامی سیاسی نظام کو سمجھنے کے لیے مقامی آوازوں اور تاریخی سیاق کو شامل کرنا ضروری ہے تاکہ تعصب سے آزاد بحث ممکن ہو۔

ایڈورڈ سعید کی استشراق پر تنقید

ایڈورڈ سعید کی کتاب "استشراق (Orientalism)" جو 1978 میں شائع ہوئی، ایک بنیادی تنقیدی کام ہے جو مغربی دنیا کی مشرقی معاشروں کی نمائندگی کو چیلنج کرتی ہے۔ سعید، جو ایک فلسطینی نژاد امریکی اسکالر تھے، استدلال کرتے ہیں کہ استشراق نہ صرف ایک علمی میدان ہے بلکہ ایک سیاسی اور ثقافتی ڈھانچہ ہے جو

[7] https://journals.sagepub.com/doi/full/10.1177/03063968231164586
[8] https://www.berghahnjournals.com/view/journals/ame/19/2/ame190203.xml

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 10 | October 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
October 31, 2026

مغرب کی بالادستی کو برقرار رکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ کتاب پوسٹ کالونیل ازم کی بنیاد رکھتی ہے اور استشراق کو ایک ایسے نظام کے طور پر پیش کرتی ہے جو مشرق کو کمتر، غیر منطقی اور استبدادی کے طور پر دکھاتا ہے تاکہ مغربی سامراج کو جواز ملے۔ سعید کی تنقید فوکو اور ڈیریڈا جیسے مفکرین سے متاثر ہے، جو علم اور طاقت کے رشتے پر زور دیتے ہیں۔ سعید استشراق کو تین سطحوں پر بیان کرتے ہیں۔

پہلی سطح پر، یہ ایک علمی شعبہ ہے جو مشرقی دنیا کا مطالعہ کرتا ہے، مگر یہ غیر جانبدار نہیں بلکہ مغربی مفادات سے جڑا ہے۔

دوسری سطح پر، استشراق ایک فکری طرز ہے جو مشرق اور مغرب کے درمیان ایک بنیادی فرق قائم کرتا ہے، جہاں مشرق کو کمتر اور مغرب کو برتر دکھایا جاتا ہے۔

تیسری سطح پر، یہ ایک سیاسی آلہ ہے جو سامراجی طاقتوں کو مشرق پر غلبہ حاصل کرنے میں مدد دیتا ہے، جہاں علم کو طاقت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

سعید کی تنقید یہ ہے کہ استشراق مشرق کو ایک جامد اور ابدی چیز کے طور پر پیش کرتا ہے، جو خود اپنی وضاحت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ مغربی اسکالرز کی تحریروں سے جنم لیتا ہے جو مشرق کو "غیر انسانی" اور "وحشی" دکھاتے ہیں، جیسے کہ یونانی ڈرامے "دی پرشینز" میں مشرق کو شکست خوردہ دکھایا گیا ہے۔ یہ نمائندگیاں مغربی شناخت کی تشکیل کرتی ہیں، جہاں مغرب خود کو منطقی اور مہذب سمجھتا ہے۔ سعید کہتے ہیں کہ یہ ایک **"جغرافیائی شعور کی تقسیم"** ہے جو ادبی، تاریخی اور سیاسی متنوں میں پھیلی ہوئی ہے۔[9]

خلاصہ بحث

یہ مضمون مستشرقین کی نگاہ میں اسلامی نظامِ حکومت کے بارے میں اٹھائے گئے اعتراضات کا ایک نئی روشنی میں جائزہ پیش کرتا ہے۔ مستشرقین نے اکثر اسلامی سیاسی ترتیب کو ایک ایسی **تھیوکریسی** قرار دیا ہے جس میں مذہب اور ریاست کا مکمل امتزاج موجود ہے، جو ان کے نزدیک آمرانہ حکمرانی، شریعت کی سختی اور جدید جمہوری اقدار سے مطابقت کی عدم موجودگی کا باعث بنتا ہے۔ انہوں نے خلافت کو مطلق العنان نظام اور نبی کریم ﷺ کے سیاسی کردار کو مذہبی غلبے کی مثال کے طور پر پیش کیا، جبکہ اسلامی اصولوں جیسے شوریٰ، بیعت اور حاکم کی جوابدہی کو نظر انداز کر دیا۔ ان اعتراضات کی اصل جڑیں نوآبادیاتی دور کی ذہنیت، روشن خیالی کے سیکولر مفروضات اور مغربی تجربات کو اسلامی تمدن پر منسوب کرنے میں پوشیدہ ہیں۔ یورپی مفکرین نے "مشرقی استبداد" کا تصور تیار کیا، جس میں اسلامی معاشروں کو مستقل طور پر جامد، غیر منطقی اور ترقی سے محروم دکھایا گیا۔ یہ نقطہ نظر نہ صرف تاریخی واقعات کا منتخب مطالعہ تھا بلکہ طاقت کے تعلقات اور ثقافتی برتری کے

[9] Edward.Said, Orientalism, P, 179.

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 10 | October 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
October 31, 2026

احساس سے بھی متاثر تھا۔ جدید دور میں بھی "سیاسی اسلام" کو بنیاد پرستی یا مغربی اقدار کے لیے خطرے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جو پرانی تعصبات کی توسیع ہے۔ اس جائزے کا مقصد ان تعصبات کو صرف رد کرنا نہیں بلکہ ان کی نفسیاتی اور تاریخی بنیادوں کو سمجھنا ہے۔ اسلامی سیاسی فکر کو اس کے اپنے فکری فریم ورک میں دیکھنے کی ضرورت ہے، جہاں الٰہی حاکمیت انفرادی آزادی، عدل اور اجتماعی مشاورت کو ایک متوازن نظام فراہم کرتی ہے۔ یہ مضمون مغربی سیکولر ماڈلز کو واحد معیار نہ مانتے ہوئے تمدنی اختلافات کو احترام کے ساتھ تسلیم کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ آخر میں، یہ تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ مستشرقین کی سیاسی عینک نے اسلامی نظامِ حکومت کو غلط طور پر پیش کیا ہے۔ ایک متوازن اور غیر جانبدار گفتگو کی ضرورت ہے جو تاریخی حقائق اور تمدنی شناخت دونوں کا احترام کرے، تاکہ آج کے عالمی تناظر میں سیاسی اسلام کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔

نتائج

1. مستشرقین نے اسلامی نظامِ حکومت پر جو اعتراضات اٹھائے ہیں، وہ زیادہ تر علمی تجزیے کی بجائے ان کی سیاسی عینک، نوآبادیاتی ذہنیت اور سیکولر مفروضات کا نتیجہ ہیں۔
2. انہوں نے اسلامی ریاست کو تھیوکریسی اور آمریت قرار دے کر اسے جدید جمہوریت سے متصادم دکھانے کی کوشش کی، جبکہ شوریٰ، بیعت، اجتہاد اور الٰہی حاکمیت جیسے اصولوں کو نظرانداز کر دیا۔
3. یہ تنقیدیں تاریخی طور پر منتخب واقعات پر مبنی تھیں اور اسلامی تمدن کی کامیاب مثالیں جیسے خلافتِ راشدہ اور عدل پر مبنی ادوار کو جان بوجھ کر کمزور کیا گیا۔
4. یہ اعتراضات نہ صرف مسلمانوں کے سیاسی ورثے کو مسخ کرتے ہیں بلکہ مشرق کو "دوسرے" کے طور پر پیش کر کے مغربی برتری کو جواز بھی فراہم کرتے ہیں۔
5. مستشرقین کی سیاسی عینک آج بھی فعال ہے۔ جدید نو مستشرقین "سیاسی اسلام" کو بنیاد پرستی یا عالمی امن کے لیے خطرہ قرار دے رہے ہیں، جو پرانی تعصبات کی جدید شکل ہے۔
6. یہ رویہ اسلامی سیاسی فکر کو اس کے اپنے فکری اور اخلاقی فریم ورک میں سمجھنے کی بجائے مغربی سیکولر ماڈل کے پیمانے پر پرکھنے کی غلطی کو دہراتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسئلہ صرف تاریخی غلط فہمی نہیں بلکہ ایک گہری فکری اور تمدنی عدم برداشت ہے۔

سفارشات

1. مسلمان علماء اور محققین کو چاہیے کہ اسلامی سیاسی نظام کو صرف ردِّ اعتراضات کی بجائے اس کے مثبت اصولوں (عدل، امانت، مشاورت اور حاکم کی جوابدہی) کے ساتھ اعتماد سے پیش کریں۔ جدید سیاسی نظریات کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے اس کی منفرد خصوصیات کو واضح کیا جائے۔

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 10 | October 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
October 31, 2026

2. مغربی اکیڈمیا میں ایک متوازن اور غیر جانبدار مطالعہ کی ضرورت ہے جو اسلامی ذرائع کو براہ راست پڑھے اور Orientalism کے بعد کے دور میں Said کے نقطہ نظر کو آگے بڑھاتے ہوئے تعصبات سے بالاتر ہو۔
3. بین الاقوامی سطح پر "سیاسی اسلام" کے بارے میں مکالمے کو polemics سے نکال کر ایک ایسی گفتگو کی طرف لے جانا چاہیے جو تمدنی اختلافات کا احترام کرے اور دونوں طرف کے خدشات کو سنجیدگی سے سنے۔
4. نئی تحقیق کی حوصلہ افزائی کی جائے جو مستشرقین کے مخصوص مفکرین (جیسے Bernard Lewis، Goldziher، Schacht وغیرہ) کے کاموں کا تفصیلی تنقیدی جائزہ لے اور ان کے سیاسی پس منظر کو بھی سامنے لائے۔
5. تعلیمی نصاب میں اسلامی سیاسی فکر کو اس کے اصل سیاق و سباق میں شامل کیا جائے تاکہ نئی نسل تعصبات کی بجائے حقیقت پسندانہ فہم حاصل کر سکے۔

CC BY